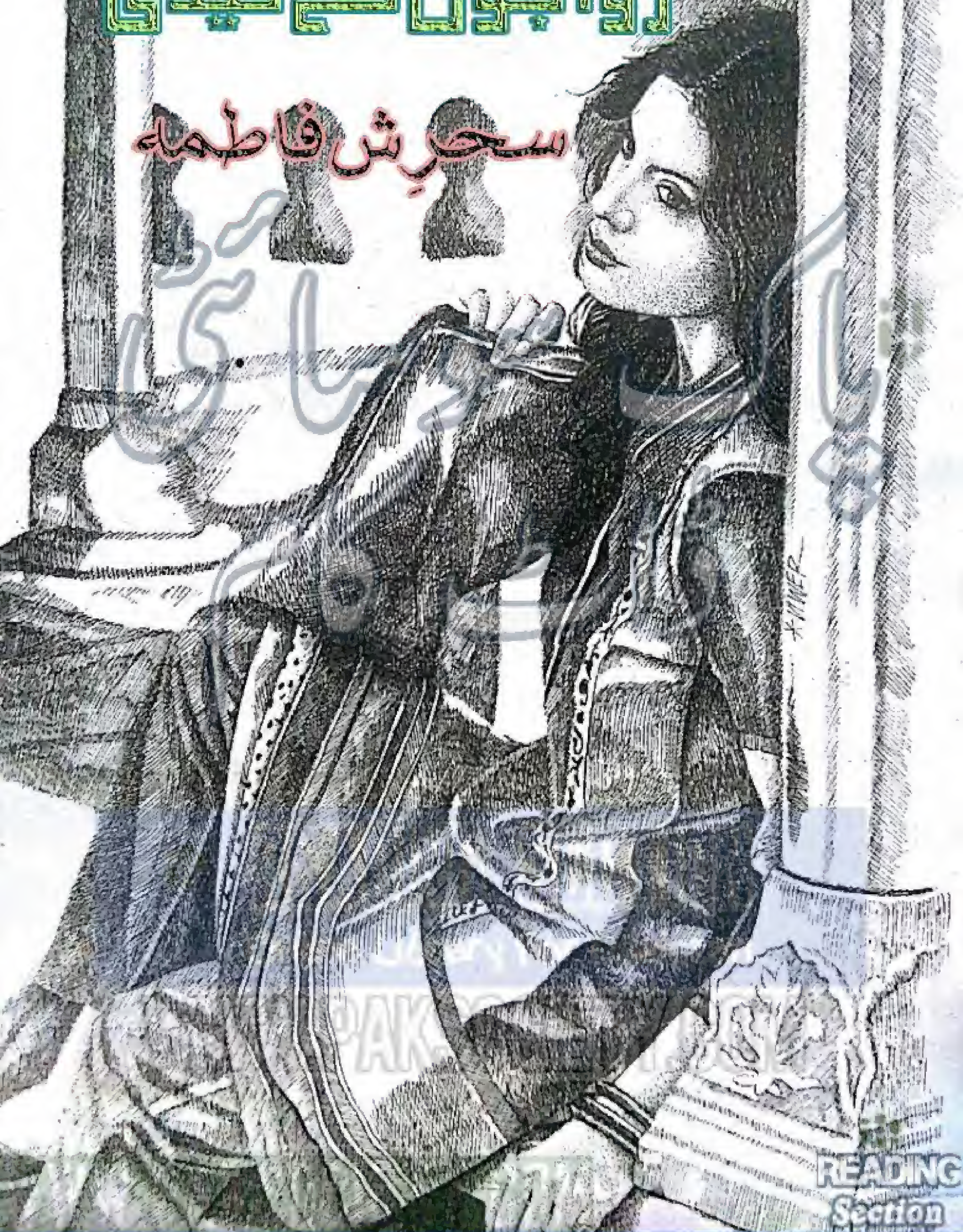
رواجوں کے قیدی

سحرش فاطمہ



سحرش فاطمہ

ردائے جاں کے قیدی

وہ لڑکی کتنی حسین ہوگی میں نہیں جانتا تھا۔ ہاں مگر دل میں اسے دیکھنے کی تمنا ضرور تھی۔

"اے لڑکی چل جلدی جلدی جھاڑو دے۔ ابھی برتن بھی پڑے ہیں دھونے والے.... کام چور نہ ہو تو .....ہونہہ!"

اماں آسیہ نے اس کام والی کو درشت اور حقارت بھرے لہجے میں مخاطب کیا۔

پتا نہیں کون تھی وہ لڑکی.... کیا تھی.... ایک عجیب سا اسرار جھلکتا تھا اس کی شخصیت سے.... لیکن وہ جو کوئی بھی تھی۔ ضرور کوئی حسین ترین قسم کی لڑکی تھی۔ نقاب زدہ چہرے سے جھانکتی اس کی آنکھیں یہی تاثر دیتی تھیں۔ اس کا چہرہ ہمہ وقت نقاب میں ڈھکا رہتا تھا۔ بس اس کی بلوری آنکھیں ہی میرا دل لبھاتی رہتی تھیں۔

"اے سنو! سنو۔ برتن دھونے کے بعد چائے بنا کر لے آنا میرے کمرے میں۔ واپس اپنے کوارٹر میں مت گھس جانا۔ پتا نہیں ادھر گھس کے کیا کیا پڑھتی رہتی ہو۔" یہ آپا برجیس تھیں۔ جن کے لہجے میں اماں سے بھی زیادہ حقارت اور سختی تھی۔ اور جو نجانے کس پڑھائی کی بات کر رہی تھیں۔

اس لڑکی نے خاموشی سے سر ہلا دیا تھا۔ اللہ جانے کس مٹی کی بنی تھی جس پہ کسی کا سخت لہجہ اور کڑوی باتیں اثر انداز ہی نہیں ہوتی تھیں۔

"سنو.... " آپا اپنے کمرے میں گئیں تو میں نے آہستگی سے اسے پکارا۔ جواب ندارد....

"میرے لیے بھی چائے بنا دینا۔"

اور اس نے خاموشی کے ساتھ محض سر ہلا دینے پہ اکتفا کیا۔ میں اپنے کمرے میں چلا آیا۔ سوچتا رہا کہ وہ نہ کسی کی طرف دیکھتی ہے نہ کسی کی بری بھلی بات پہ کسی قسم کے رد عمل کا اظہار کرتی ہے۔ آخر ایسی کیا مجبوری ہے اس کی جو وہ یوں چپ چاپ سب برداشت کرنے پر مجبور ہے، خیر مجھے کیا' سر جھٹک کر میں نے اس کے خیال سے دامن چھڑانا چاہا۔

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"آجاؤ...."

میں نے بلند آواز سے کہا تو وہ چائے کی ٹرے کے ساتھ جھجکتے ہوئے اندر داخل ہوئی اور ٹرے ٹیبل پر رکھ کر جلدی سے واپس جانے کو مڑی۔

"سنو" اس سے پہلے کہ وہ جھپاک سے باہر نکلتی۔ میری آواز نے اس کے قدم روک لیے۔

"تم یہ چہرہ کیوں ہر وقت ڈھانپ کر رکھتی ہو؟ کیا خوف لاحق ہے تمہیں؟"

"مجھے اس نے کہا ہے چہرا ڈھکنے کو صرف اس کا خوف لاحق ہے مجھے۔"

اس کی آواز میں عجیب سی نرمی۔ شائستگی اور ایسا رعب تھا کہ میں نا چاہتے ہوئے بھی مرعوب ہو گیا۔ اور اپنے حواسوں پہ ایک پاکیزہ سی مدہوشی طاری ہوتی ہوئی محسوس ہوئی مجھے.... اس سے پہلے کہ میں کچھ اور پوچھتا۔ میرے سیل فون کی بجتی ٹون مجھے اس کے سحر سے نکال کھینچ لائی۔ میں فون کی طرف متوجہ ہوا تو وہ فوراً" کمرے سے باہر نکل گئی۔

"اس نے کہا ہے چہرہ ڈھکنے کو۔" مگر کس نے؟ کون


www.Paksociety.com
READING
Section

ہے اس کی زندگی میں؟ جو اس کے لیے اتنا اہم ہے کہ وہ یوں اس کے حکم کی پاسداری کرتی پھر رہی ہے۔ کافی دیر تک اس کے بارے میں سوچتے ہوئے میں خود سے الجھتا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

رات کا وقت تھا۔ سب کھانے سے فارغ ہو کر اپنی اپنی سرگرمیوں میں مشغول ہو گئے تھے۔ کوئی ٹی وی میں گم تھا تو کوئی اپنے کمرے میں آرام کی غرض سے چلا گیا تھا۔ میں ایسے ہی ہوا خوری کے لیے لان میں نکل آیا... ٹہلتے ٹہلتے میں گھر کی پچھلی طرف آنکلا جس طرف اس پراسرار لڑکی کا کوارٹر تھا۔ جسے دیکھ کر میں پھر سے اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ مگر اس سے پہلے کہ میری سوچیں بے لگام ہوتیں میں ٹھٹک کے رک گیا... کچھ آوازیں آرہی تھیں کوارٹر کی کھڑکی سے... تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں اس کے کوارٹر کی کھڑکی کی طرف آگیا۔

"ہاں... میں جانتی ہوں آپ نے منع کیا ہے مجھے۔ پر میں بھی کیا کروں آخر تو بولنا ہو گا جواب دینا ہو گا ایسے میں اگر نادانستہ لہجہ نرم پڑ جائے تو میں کیا کر سکتی ہوں۔"

اندر سے آتی آوازیں مجھے حیرت کے سمندر میں غرق کرنے کے لیے کافی تھیں۔ مجھے اس کی نرم مگر بارعب آواز یاد آگئی۔ کون ہے اس کے پاس... آخر کس سے باتیں کرتی ہے یہ... وہ بھی رات کے اس پہر۔

"اس نے مجھ سے پوچھا تھا میرے نقاب کا میں نے تو کہہ دیا کہ آپ نے کہا ہے۔ وہ سمجھے گا تو نہیں پر مجھے تو آپ نے حکم دیا ہے نا، جس کی تعمیل میں مرتے دم تک کروں گی..."

ایک بار پھر اس کی آواز نے میری سوچوں کے تسلسل کو توڑا۔ وہ نجانے کس سے بات کر رہی تھی، کسی اور کی آواز تو آہی نہیں رہی تھی۔ اس کی باتیں سن کر دن کو اس کے ساتھ ہونے والی مختصر گفتگو یاد آگئی... جس میں کسی غائبانہ فرد کا ذکر تھا۔

خیر اس رات کے بعد اب میں روز اسے بغور دیکھتا۔ اس کے ڈھیلے ڈھالے کپڑے اور اس کا زیادہ تر چپ ہی رہنا۔ ضرورت کے تحت جواب دینا اور چہرہ ڈھکا ہوا اور روز رات کو میں اس کے کواٹر کی طرف جاتا اور وہ کسی سے باتیں کرتی ہوئی سنائی دیتی مجھے نجانے کس سے۔

☼ ☼ ☼

"میرا نام شمائل ہے۔ میرا تعلق لاہور سے ہے۔ آج کل آپ کے شہر آیا ہوا ہوں۔ میں ایک لکھاری ہوں اور مجھے آپ بیتیاں لکھنا کا بہت شوق ہے۔ آپ کے ادارے کے لیے کچھ لکھنے کا خواہش مند ہوں اگر آپ..."

"دیکھو...! ٹھیک ہے آپ لکھ کے بھیج دیں دیکھ کے بتا دیں گے کیا ہوتا ہے" اس سے پہلے کہ میں اپنی بات مکمل کرتا۔ رسالہ کے ایڈیٹر نے میری بات کاٹ کر دوٹوک جواب دیا۔

"جی ضرور... چلیں اللہ حافظ... اللہ حافظ۔" دوسری طرف سے بھی رابطہ منقطع ہو گیا تو میں نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

☼ ☼ ☼

دن پر دن گزرتے گئے۔ اس لڑکی کے بارے میں میرے تجسس اور الجھن کا وہی حال تھا۔ وہ آخر کس سے بات کرتی ہے اگر تو وہ خود سے بھی کرتی ہو گی تو وہ خود کو مخاطب کرتی، یہاں وہ کسی آپ سے ہی گفتگو کر رہی ہوتی تھی۔ اس کی ذات کا اسرار میرے لیے دن بدن ایک چیلنج بنتا جا رہا تھا اور میں نے طے کیا تھا کہ ایک نہ ایک دن ضرور اس الجھن بھرے معاملہ کا سرا معلوم کر کے رہوں گا۔

اس رات بھی میں حسب عادت باہر نکلا اور پیچھے کی طرف آیا اور مجھے اس کی سسکیوں کی آواز آئی... وہ رو

رہی تھی اور بے تحاشا رو رہی تھی۔ اس کی آواز میں ایک عجیب سا درد اور کرب محسوس ہوا مجھے۔۔۔ روتے ہوئے مسلسل کچھ بول رہی تھی۔۔۔ میں نے کھڑکی کے قریب ہو کر اس کی باتوں کا متن جاننے کی کوشش کی۔

"آپ پہ بہت ظلم ہوا اور آپ نے پھر بھی برداشت کیا آپ بہت صابر تھے۔ عظیم تھے میں تو آپ کے پیروں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہوں اور جس وقت مجھ پہ اتنا بڑا ظلم ہوا میرے تو فرشتوں کو بھی اس کی گہرائی کا اندازہ نہیں تھا۔ کچھ خبر نہیں تھی کہ اپنے ساتھ ہونے والے معاملہ کی سنگینی کا اندازہ کر پاتی۔۔۔ اس وقت میرے مولا کیوں نہیں آئے مجھے بچانے؟ کیوں نہ اس ظلم کے خلاف ان ظالم و جابر لوگوں پر عذاب نازل کیا؟ میں تو آج بھی ان سے اپنے دل کی ہر بات کرتی ہوں ان ہی کا حکم مانتی ہوں۔۔۔ بے پناہ محبت کرتی ہوں ان سے۔۔۔ آپ ان کے محبوب ہیں۔۔۔ میں آپ سے بھی بے پناہ پیار کرتی ہوں۔ پر میں اب تھک گئی ہوں۔

مجھے کچھ سمجھ نہیں آتی میں کیا کروں۔۔۔ کہاں جاؤں۔۔۔ جہاں مجھے کسی کی الجھن بھری نظروں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ جہاں کسی کے حیرت بھرے سوالوں کا جواب نہ دینا پڑے۔ کیا کروں میں۔۔۔ کیا کروں۔۔۔"

وہ روتی جاتی اور کہتی جاتی مجھے اس کی گفتگو کی کچھ سمجھ نہ آئی بلکہ میری الجھن پہلے سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔

اگلے روز وہ باورچی خانے میں چائے بنا رہی تھی میں نے بھی اپنے لیے بنوائی اور کمرے میں لے آنے کا کہا۔

وہ آئی، چپ چاپ چائے رکھ کے جانے کے لیے مڑی ہی تھی کہ میرے سوال نے اس کے قدم وہیں ساکت کر دیے۔

"کل رات تم رو کیوں رہی تھیں؟" وہ میری جانب مڑی۔ اور میں نے دیکھا اس کی آنکھوں میں حیرت کے ساتھ ساتھ عجیب سا خوف نظر آیا مجھے۔

"وہ میں۔۔۔ وہ جی میں۔" گھبراہٹ کے مارے اس کی زبان ہی لڑکھڑا گئی تھی۔

"اچھا ویسے تم روز کس سے بات کرتی رہتی ہو؟" اب یہ ہی سوال میری سمجھ میں آیا۔

"میں ان سے بات کرتی ہوں۔"

گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس نے لب کشائی کی۔

"ان سے کن سے؟"

"نہیں بتا سکتی صاب۔۔۔" اس نے اتنا ہی کہا اور میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی "فوراً" کمرے سے باہر نکل گئی۔



"میرا نام پاکیزہ ہے اور میرا تعلق اندرون سندھ سے ہے۔ میں بہت چھوٹی سی تھی مجھے یاد ہے جب میرے علاقہ کے لوگوں میرے آگے پیچھے عقیدت سے پھرا کرتے تھے اور مجھے پاک بی بی کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ جب میں راستے پہ چلتی تو مجھے آتے دیکھ کر لوگ میرے لیے راستہ چھوڑ دیتے کہ پاک بی بی آ رہی ہے۔ اسکول جاتی تو وہاں لڑکیاں میرا احترام تو بہت کرتی تھیں۔ پر میرے ساتھ دوستی کرنے کو کوئی بھی تیار نہیں ہوتی تھی۔ وہ کہتی تھیں آپ پاک بی بی ہو ہم آپ کی دوستی کے قابل نہیں ہیں۔۔۔ مجھے ان کی باتوں کی کچھ سمجھ نہیں آتی تھی۔

شروع شروع میں تو میں اتنی پزیرائی اور عزت افزائی پر پھولے نہ سماتی تھی، پر آہستہ آہستہ میں اس ساری صورت حال سے بے زار ہونے لگی تھی۔۔۔ خیر۔۔۔ جب کوئی بھی میری دوست بننے پہ تیار نہ ہوئی تو میں نے کتابوں کے ساتھ دوستی کر لی۔ ایک تو مجھے پڑھنے کا شوق تھا دوسرے ہر وقت کتابوں میں گھسے رہنے کی وجہ سے میں کلاس میں ہمیشہ اول آتی۔ میرے گاؤں کے لوگ کہتے کہ میں پاک بی بی ہوں مجھ پہ اللہ کا خاص کرم ہے جس کی وجہ سے میں پہلی پوزیشن کے ساتھ

کامیاب ہوئی ہوں۔"

اگلے روز میری ہدایت پر وہ مجھے چائے دینے آئی تو خود ہی اپنی کتھا شروع کر کے مجھے اچنبھے میں ڈال دیا۔۔۔ کہاں تو وہ منہ ہی نہیں کھولتی تھی اور کہاں۔۔۔ خیر' میرے لیے یہی بات بہت خوشی اور اطمینان کا باعث تھی کہ پتھر میں جونک پڑ ہی گئی تھی یقیناً" اس کی پراسرار شخصیت کا راز کھلنے والا تھا۔

"میں نے میٹرک شاندار نمبروں کے ساتھ پاس کیا مگر مجھے آگے پڑھنے کی اجازت نہ ملی۔ بلکہ میرے کہیں آنے جانے پر بھی پابندی لگادی گئی اور مجھے گھر کے ایک کونے میں بٹھادیا گیا۔ اب بس گھر تھا اور میں۔۔۔ مجھے قرآن پاک اور تسبیح ہاتھ میں دے دیئے گئے اور مجھ سے کہا گیا کہ تمہیں یہی پڑھنا ہے اب۔۔۔ یہی تمہارا اوڑھنا بچھونا ہیں اب۔

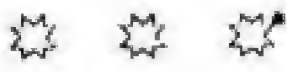
مجھے لگا مجھے یا تو حافظہ بنانا ہے یا عالمہ۔۔۔ میں بھی شوق میں قرآن اور اس کا ترجمہ پڑھتی رہتی دن رات۔۔۔ عام لڑکیوں کی طرح مجھ سے گھر کا کوئی کام نہ لیا جاتا بلکہ مجھے سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا۔۔۔ کچھ ماہ گزرے ہی تھے کہ مجھ سے آکر قرآن کا پوچھا گیا۔ میں جوش و خروش سے ایک ایک سورت سناتی گئی۔ بس مجھے پورے گاؤں میں مشہور کرا دیا کہ پاک بی بی تیار ہیں۔"میں ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتا رہا۔

"اب روز میرے گھر میلا سا لگتا لوگ آتے میرے ہاتھ چومتے اور اپنے لیے دعا کرواتے۔ میں عجیب سے احساسات کا شکار رہتی۔"

"عجیب کیوں۔۔۔؟"

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی میرے سوال سے گویا وہ ماضی سے حال میں پلٹ آئی۔۔۔ اور اچانک گھبرا کر کھڑی ہوگئی۔

"پتا نہیں۔ اچھا میں اب چلتی ہوں بہت کام ہیں۔" تیزی سے کہتی ہوئی یہ جا اور وہ جا۔ میں روکنے کی بہت کوشش کی پر۔۔۔ وہ چلی تو گئی تھی پر مجھے مزید کشمکش میں ڈال گئی۔۔۔ میں سوچ سوچ کر الجھتا رہا کہ اسے آخر پاک بی بی کا درجہ کیسے ملا اور اگر وہ قرآن کی حافظہ ہے تو کیا وہ روز رات کو قرآن سے بات کرتی ہے؟ یا اللہ سے؟ اس کی باتوں سے میں کڑی سے کڑی ملانے لگا۔



"پاکیزہ۔"

"جی اماں" میں اماں کی طرف متوجہ ہوئی۔

"میری بات اچھی طرح گرہ سے باندھ لے۔"

میں اگرچہ اماں کی کسی بات کے پس منظر سے واقف نہیں تھی پر اماں کا غیر معمولی لہجہ مجھے ٹھٹکا گیا۔

"جی بولیں اماں۔"

میں پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

"جو میں کہوں اسے غور سے سن اور اپنے دل ودماغ میں بٹھالے۔" اماں کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ مجھے خوف محسوس ہوا۔

"جی اماں کہیں۔"

"دیکھو بیٹا۔ لوگ یہاں آتے ہیں تم سے دعائیں کروانے اور تمہیں زندگی بھر یہی کرنا ہے بہت نصیبوں والی ہو تم جو تمہیں یہ درجہ ملا ہے اس کی لاج بھی رکھنی ہوگی اور بھول کے بھی شادی کا نہیں سوچو گی!" اماں نے اتنی آسانی سے اتنی بڑی بات کہہ دی کہ میں ان کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

"اماں مجھ سے لوگ آآ کر اپنی بچیوں کی اچھی قسمت اور شادی وغیرہ کی دعائیں کراتے ہیں اور خود میں شادی کا نہ سوچوں۔۔۔!" اماں کی منطق نے مجھے بری طرح الجھا دیا تھا۔ میں بھی تو آخر لڑکی ہی تھی۔ بھلے میری زندگی صاف ستھری گزری ہو۔ اس میں کسی شخص کا کبھی گزر نہ ہوا ہو پر شادی تو ایک شرعی مسئلہ تھا۔ آخر کو قرآن پڑھا تھا سب جانتی تھی۔

"اچھا اب زیادہ بحث نہیں جو کہہ دیا کافی ہے آرام کرلو شام میں پھر لوگ آئیں گے تم تھک جاؤ گی۔"

"کیا میں تھوڑی دیر کے لیے گھر سے باہر نہر کنارے جاسکتی ہوں؟"

میں نے اماں کو دیکھا جنہوں نے میری بات کو سختی

دکھا کر رفع دفع کر دیا تھا۔ مجھے عجیب سی گھٹن کا احساس ہوا تو اماں سے التجائیہ انداز میں باہر جانے کی اجازت لینی چاہی۔

"ٹھیک ہے میں بشیراں سے کہتی ہوں تم چادر اوڑھ لو اور ہاں چہرہ اچھی طرح ڈھانپ لینا۔ جلدی واپس آنا۔" اماں اتنی آسانی سے مان جائیں گی مجھے اندازہ نہیں تھا پر مجھے اس گھٹن سے چھٹکارا پانے کی اتنی جلدی تھی کہ میں فوراً "اندر چادر لینے بھاگی۔

اتنے عرصے بعد میں باہر نکلی تھی کھلی فضا میں۔ میں اس وقت ہر بات بھول کر بے پناہ خوش تھی۔ آزادی کے احساس سے کھلی فضا میں کھڑے ہو کر لمبے لمبے سانس لیے۔ گویا ایک ایک لمحہ کو اپنے اندر اتار لینا چاہتی تھی میں۔

پر میں پابندی میں جکڑی ہوئی تھی۔ میرا دل بے چین تھا۔ اس بے چینی سے چھٹکارا پانے کے لیے نہر کے کنارے بیٹھ کر میں نے پاؤں نیچے پانی میں لٹکا لیے اور بچوں کے سے پر جوش انداز میں پاؤں کے ساتھ پانی اچھالنا شروع کر دیا۔ مجھے لگا جیسے میری ہر پریشانی اس پانی کے اڑتے چھینٹوں کے ساتھ اڑ گئی ہو۔

اب یہ روز ہونے لگا تھا۔ میں ایک گھنٹے کے لیے نہر کے کنارے چلی جاتی تھی بشیراں ساتھ ہی ہوتی تھی۔ میں بچوں کی طرح پانی سے کھیلتی کبوتر اڑاتی۔ کبھی پگڈنڈیوں میں بھاگتی ہوئی اٹکھیلیاں کرتی.... اور یہیں پہ ایک دن....

عاصم میرے ساتھ کے گاؤں کا رہنے والا تھا۔ میرا خیال تھا کہ چونکہ یہ کھیت کھلیان ہماری ملکیت ہیں اس لیے یہاں کسی باہر والے بندے کے آنے کا کوئی امکان نہیں ہے اس لیے میں وہاں چہرہ کھلا رکھ کر اپنی سرگرمیوں میں مشغول رہتی تھی۔ پر جس بات کو ہونا تھا وہ ہو کر رہی۔ نجانے کب اور کیسے عاصم کی نظر مجھ پر پڑی اور مجھے ایک نظر دیکھتے ہی وہ اپنا سب کچھ ہار گیا تھا اور میری ایک جھلک دیکھنے روزانہ وہ نہر کے کنارے آنے لگا....

"السلام علیکم.... جی جی میں شمائل ہی بات کر رہا ہوں۔ اوہ اچھا.... آپ کو کہانی پسند آئی.... شکریہ بہت بہت.... جی اللہ حافظ" میں بہت خوش تھا۔ میری کہانی ادارے والوں کو پسند آگئی تھی۔ ویسے میں اپنے شہر کے رسالوں میں تو لکھتا ہی رہتا تھا پر کسی دوسرے شہر کے رسالے میں لکھنے کا یہ موقع پہلا تھا....

☼ ☼ ☼

"بشیراں! اے بشیراں.... ایسا کرو تم مجھے آج اکیلا چھوڑ دو۔"

میں نے بشیراں کو حکم دیا۔ بشیراں کو نہ چاہتے ہوئے بھی میرا حکم ماننا تھا کیونکہ میں پاک بی بی تھی جس کے حکم سے سرتابی کر کے وہ گناہ گاروں میں شامل نہیں ہونا چاہتی تھی۔

میں نے اپنے اس وہم کا تعاقب کیا۔ اور اس پیڑ کی جانب گئی جہاں مجھے روزانہ کسی سائے کا گمان ہوتا تھا.... روزانہ کوئی شخص میری جھلک دیکھنے ایسی مستقل مزاجی سے آتا ہو تو میں اس کی موجودگی سے بے خبر کیسی رہ سکتی تھی۔

چنانچہ میں نے آج طے کیا تھا کہ اس چھپن چھپائی کے کھیل کو کوئی حتمی نتیجے تک ضرور پہنچاؤں گی.... درخت کے پیچھے کھڑا عاصم مجھے دیکھ کر بری طرح چونک گیا اور شاید پہلی بار اپنے سامنے اتنے قریب دیکھ کر پلک جھپکنا ہی بھول گیا تھا....

اس دن ہم دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور بس دیکھتے ہی رہ گئے تھے۔

عشق کی جس آگ میں عاصم جل رہا تھا اس کی تپش سے میں کیسے اپنا دامن بچا سکتی تھی۔ یہیں سے میری زندگی نے ایک نیا موڑ لیا اور میں اپنی ماں کی ہر نصیحت بھول گئی۔ ہوش مجھے تب آیا جب بشیراں نے آواز دی۔ میں جلدی سے عاصم کو الوداع کہہ کر واپسی کے لیے مڑی۔

جیسے تیسے گھر پہنچی دل بہت زور سے اور بہت انوکھی تال پہ دھڑک رہا تھا۔۔۔ میں مسرور بھی تھی اور خوف زدہ بھی۔۔۔ ٹھنڈے پسینے ماتھے تک آرہے تھے۔

"کیا کیا بات ہے پاکیزہ آج طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی؟" اماں جو مجھے باہر بلوانے آئی تھیں۔ کیونکہ لوگ باہر جمع ہونا شروع ہو گئے تھے پاک بی بی سے ملاقات کا شرف حاصل کرنے۔

"اماں میرا آج کسی سے ملنے کا دل نہیں' اماں آج سب کو بھیج دو۔" میں نے آنکھوں پر بازو رکھے رکھے اماں کو جواب دیا' مبادا اماں میری آنکھوں کے بدلے رنگ نہ پہچان لے۔

"چلو اچھا ٹھیک ہے دوا دے کے بھیجتی ہوں میں بشیراں کو' آج آرام کرلو میں کل بلوالوں گی سب کو" اماں باہر چلی گئی تھیں۔

"کل؟ اب کیا کل کا انتظار کروں؟ کیا وہ کل بھی آئے گا؟ روز آتا ہے کل بھی ضرور آئے گا" اماں کے باہر جاتے ہی میں نے پھر سے اپنی سوچوں کا تسلسل وہیں سے جوڑا جہاں سے ٹوٹا تھا۔ مجھے یہ کیفیت اچھی لگنے لگی تھی۔ میری زندگی میں یوں کسی مرد کا آنا جو روز روز میری ایک جھلک دیکھنے آتا ہو' ایک بہت انوکھا احساس تھا۔ میں عاصم کو دیکھتے ہی اپنا سب کچھ ہار گئی تھی۔۔۔ میں اگلے دن کا بے چینی سے انتظار کرنے لگ گئی تھی۔

"بشیراں آج میں اکیلی جاؤں گی۔"

میری بات سن کر مارے حیرت کے بشیراں اب منہ کھول کر کھڑی رہ گئی تھی۔ وہ مجھے نہر کے کنارے تو اکیلا چھوڑ سکتی تھی پر اکیلے آگے تک جانے نہیں دے سکتی تھی اسے خاص ہدایت جو تھی۔

"پر بی بی میں آپ کو اکیلے کیسے؟" بشیراں ڈرتے ڈرتے منمنائی۔

"میری حکم عدولی کرنے کا نتیجہ جانتی ہو نا؟" بھنویں اچکا کر اب کی بار میں نے اپنے درجے کا استعمال کر ڈالا جو یقیناً" بشیراں کی کمزوری تھی۔ وہ بے چاری ڈرتے ڈرتے مجھے آدھے راستے میں ہی چھوڑ گئی تھی۔

اب روز یہی ہونے لگا بشیراں کے ساتھ میں صرف گھر سے نکلتی اور پھر بشیراں اپنے راستے اور میں اپنے راستے۔ روزانہ میں اور عاصم ایک دوسرے کو خاموش اور پیار بھری نظروں سے ایک دوسرے کو تکتے اور پھر اپنا اپنا۔ رستہ ہو لیتے۔



"تم نے کبھی اس سے بات نہیں کی؟" میں نے سگریٹ کے کش پہ کش لگاتے ہوئے پاکیزہ سے پوچھا۔ وہ مجھ سے کافی فاصلہ پر حسب معمول نقاب میں چہرہ چھپائے بیٹھی ہوئی تھی۔

"ہاں کی تھی ایک بار بات' روز ملتے تھے ہم۔۔۔ ایک دفعہ ہی بات ہوئی اور وہ ہماری ملاقات کا آخری دن ثابت ہوا۔" پاکیزہ نے اپنا سر گھٹنوں پہ ٹکا دیا۔

"آخری۔۔۔ آخری ملاقات؟ کیوں کیا ہوا تھا؟" مجھے اس کی کہانی واقعی دلچسپ لگی۔

"بشیراں۔۔۔ سارے گاؤں کو پتا چل گیا تھا کیسے۔۔۔ ہمیں نہیں جانتی' شاید بشیراں نے ہی کسی کو بتادیا ہو اور اس دن ہی مجھ پر اپنے نکاح کا انکشاف ہوا" جتنا میں دلچسپی سے اس کی کہانی سن رہا تھا ایک دم اس کے نکاح کی بات سن کر جھٹکا لگا جلتی ہوئی سگریٹ کی راکھ میری انگلی پہ گری' سی کی آواز پہ اس کا دھیان میری طرف ہوا۔ اس کی آنکھوں سے لگا کہ وہ مسکرائی ہو جیسے۔

"نکاح۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں میرا نکاح ہوچکا تھا جب میں پیدا ہوئی تھی۔" پاکیزہ نے اتنا کہا اور خاموش ہو گئی۔

"پھر؟ وہ بچپن کا نکاح؟ کس سے؟ تم جانتی ہو اسے؟ کیا اسی لیے اماں نے کہا تھا شادی کا مت سوچنا؟ مگر اماں نے ایسا کیوں کہا؟ ہاں اگر وہ یہ کہتیں کہ کسی اور سے شادی۔۔۔" میں نے الجھتے ہوئے پے در پے کئی سوال کر ڈالے۔

☆ ☆ ☆

"کہا بھی تھا میں نے تم سے کہ شادی کا خیال تک نہ لانا دل میں اور تم ایک لڑکے سے ملنے لگ گئیں۔ اپنی عزت' مرتبہ ہماری عزت اور گاؤں والے.... کسی ایک چیز کا بھی خیال نہ آیا تجھے۔" غیض و غضب کی عملی صورت بنی اماں بری طرح مجھ پر برس رہی تھیں۔

"ارے تم پاک بی بی ہو جانتی ہو تمہیں کیا رتبہ ملا ہے؟ کیا درجہ ہے تمہارا؟ تم نکاح شدہ ہو سمجھیں ..." اماں نے بری طرح مجھے پھنکارتے ہوئے جو بات کی اسے سن کر میرے پیروں کے نیچے سے زمین ہی نکل گئی تھی۔

"کیا میرا نکاح؟ پر کس سے؟" مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ جو میں نے سنا ہے واقعی اماں نے وہی بات کی ہے۔ میں نکاح شدہ تھی اور آج تک مجھے اس بات کی بھنک بھی نہیں پڑنے دی کسی نے۔ اگر میرا نکاح ہوا تھا تو کس سے آخر.... کون تھا وہ جس کے بارے میں آج تک مجھے نہیں بتایا گیا تھا۔

"اماں یہ تم کیا کہہ رہی ہو.... کس سے کیا ہے میرا نکاح جس کی مجھے خبر تک نہیں ہے۔" میں نے روتے ہوئے اماں کا ہاتھ تھاما۔

"ہاتھ چھوڑ میرا" اماں نے غضبناک ہوتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

"اماں۔ یہ تو بتا دو اماں کس سے ہوا ہے میرا نکاح" میں نے شدت سے روتے ہوئے اماں سے التجا کی۔

"آ' ادھر چل میرے ساتھ بتاتی ہوں تجھے" اماں اپنے دونوں ہاتھوں سے بے دردی سے میرے کاندھے دبوچتے ہوئے مجھے ایک کمرے میں لے گئی۔ کمرے کے اندر جا کر اماں نے مجھے چھوڑا اور الماری کی طرف بڑھی۔ الماری میں سے اس نے جزدان سے قرآن نکالا اور کہا۔

"اس.... لے.... دیکھ لے.... اس مبارک کتاب سے ہوا ہے تمہارا نکاح" اماں نے بات کرتے ہوئے عقیدت سے آنکھوں سے لگا لیا۔ مجھے لگا کسی نے اونچے پہاڑ سے دھکا دے کر نیچے گرا دیا ہو میرے وجود کو۔

"یہ.... یہ تم کیا کہہ رہی ہو اماں؟ اللہ کا واسطہ اماں ایسی بات کر کے مجھے اور خود کو گناہ گار مت کرو.... قرآن سے بھلا نکاح ہوتا ہے کیا؟ یہ کیا بول رہی ہو تم؟ میں نے قرآن پڑھا ہے اتنی بھی جاہل نہیں ہوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" روتے روتے میری ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

"مجھے نہ سمجھا کیا صحیح کیا غلط! تو خوش قسمت تھی کہ تجھے پیدا ہوتے ساتھ ہی چن لیا گیا تھا۔ اری میں کہتی ہوں زندگی بھر لوگ تجھے مان دیں گے.... عزت دیں گے بدلے میں تو انہیں دعائیں دے گی۔ پاک بی بی کا مطلب بھی جانتی ہو؟"

اماں نہ جانے کس جہالت بھرے دور کی بات کر رہی تھی۔ وہ رسم و رواج میں گھری وہ عورت تھی جس کے پیروں میں پڑی جہالت بھری رواجوں کی بیڑیوں نے خوف خدا ہی بھلا دیا تھا۔ گاؤں میں شاید برسوں سے یہی رواج تھا نجانے کتنی ہی لڑکیوں کے ساتھ ایسا ہو چکا تھا اور اب میری باری تھی۔

"میں جس گاؤں جس خاندان سے تعلق رکھتی تھی وہاں جس لڑکی کی شادی قرآن سے کرا دی جاتی اسے بہت بابرکت اور بزرگ قسم کی ہستی سمجھا جاتا تھا اور اگر کم عمری میں ہو تو پھر نہ کسی عام انسان کے قریب جانے دیا جاتا اور نہ کسی عام انسان سے میل جول کی اجازت تھی اور مرد ذات کے تو سائے سے بھی دور رکھا جاتا تھا۔ یہ ساری باتیں اماں نے مجھے اس وقت بتا دی تھیں۔"

"اماں یہ گناہ ہے اس کی قطعاً گنجائش نہیں ہے شریعت میں۔" ساری حقیقت جاننے کے بعد میں زمین پر ڈھے گئی تھی۔

"تمہاری یہ مجال کہ قرآن کی شادی کو گناہ کہو؟ اری کم بختی ہے تمہاری۔ قرآن سے شادی ہونا بڑے قسمت کی بات ہوتی ہے" اماں نے مجھے بری طرح

جھنجھوڑتے ہوئے کہا اور باہر نکل گئی۔ اب مجھے ایک کمرے میں بند کر دیا گیا تھا۔ مجھے گھر سے باہر تو کیا کمرے سے بھی بلا حاجت باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ لوگ آتے محفل سجتی اور میں گم صم سی بت بنی سب کی بات سنتی اور بظاہر ان کے حق میں دعا کرتی۔ میرا اپنا دل خالی ہو گیا تھا۔

"میں کس سے اپنے دل کی بات کروں؟ ایک بشیراں تھی اس نے بھی دھوکا دیا۔"

"یہ کیا کہہ دیا اماں؟ میرا نکاح قرآن سے؟ اتنا بڑا ظلم... اتنا بڑا گناہ۔ اتنے عرصے مجھے قرآن پڑھنے کو دیا میں دن رات اسی مقدس کتاب کو پڑھتی رہی ہر پہلو سے واقف ہوں حتیٰ کہ مرد اور عورت کی شادی کا ہی ذکر ہے اور یہاں یہ جہالت کہ قرآن سے شادی کرادی جائے نعوذباللہ میں کہاں جاؤں۔ اے اللہ میری مدد کر میرے مولا...." دن رات میرے لبوں پہ بس ایک ہی دعا تھی۔



"تم۔ کراچی کیسے پہنچی؟" پاکیزہ کی بات پوری ہوئی تو میں نے سوال داغا... میں کشمکش میں تھا کہ کہاں تو اس پہ کڑی پابندی تھی اور کہاں یہ کہ وہ دوسرے شہر آ پہنچی۔

"بشیراں نے ہی ساتھ دیا۔" اب کی بار اس کی آواز میں کافی سکون اور ٹھہراؤ محسوس ہوا مجھے۔

"ارے یہ کیسے؟" میں واقعی حیران ہوا۔

"کچھ دن بعد ایک رات بشیراں میرے ساتھ سو رہی تھی اور میں چپ چاپ اپنے نصیب کو روتے ہوئے خود سے باتیں کر رہی تھی۔ بشیراں کو شاید میرے حال پہ ترس آگیا تھا... وہ میرے قریب آئی۔ آہستہ سے جھنجوڑا اور روتے ہوئے مجھے اپنے ساتھ لگالیا۔

"پاک بی بی آپ اکیلی نہیں ہو۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ کو یہاں سے نکلنے میں میں مدد کروں گی آپ کی... آپ یہاں سے دور چلی جائیں ورنہ یہ لوگ آپ کی پھول جیسی جوانی مٹی میں ملا دیں گے۔ اللہ آپ کی مدد کرے گا۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ جانتی ہو یہ کتنا مشکل کام ہے؟" مجھے کچھ سمجھ نہیں آیا... میں بھلا کیسے نکل سکتی تھی یہاں سے...

"بس 'بی بی یہ آپ مجھ پہ چھوڑ دیں" بشیراں نے مجھے اپنے ساتھ کا یقین دلایا اور مجھے اطمینان سے سو جانے کو کہا... پر اب اطمینان کہاں۔ میرے وجود پہ بے تحاشا گھبراہٹ غالب ہو چکی تھی بھاگ جانے کے خیال سے عجیب بے کلی سی ہو رہی تھی۔

میں رات بھر سوچتی رہی کہ بشیراں نے اماں کو سب بتا دیا تھا پھر وہ میرے ساتھ یہ نیکی کیوں کرنے چلی تھی... پھر سوچا شاید اسے احساس ہو گیا تھا کہ باقی سب کے ساتھ وہ بھی قرآن کی بے حرمتی کی مرتکب ہو رہی تھی۔ اللہ جسے چاہے ہدایت دے ورنہ جس معاشرے میں وہ رہتی آرہی تھی وہاں شروع سے اس نے یہی دیکھا تھا۔"

"اچھا پھر۔ اچھا پھر کیا ہوا؟" وہ خاموش ہوئی تو میں نے بے تابی سے پوچھا۔

"ہونا کیا تھا۔ میں سب کے سو جانے کے بعد پردے میں گھر سے باہر نکلی۔ دوپہر کا وقت تھا... چونکہ گرمیوں کی دوپہر تھی اس لیے ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ اور چونکہ اب بشیراں میرے ساتھ تھی اس لیے مجھے وہاں سے نکلنے میں زیادہ دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

میں نہر کے کنارے پہنچی میرے بعد بشیراں وہاں آئی اور ہم نظر بچا کے گاؤں سے باہر نکل آئے۔" آخری بات کرتے ہوئے اس کی آنکھ میں جگنو چمکے۔ اب پتا نہیں یہ افسردگی تھی یا قید سے رہائی کی خوشی۔

"اور یہاں کیسے آئیں تم؟ میرے گھر تک؟" اس کی اداس سی خاموشی مجھ سے برداشت نہ ہوئی تو ایک اور سوال کیا۔

"بشیراں مجھے کراچی لے آئی تھی۔ ہم بے یارو

مدد گار بھٹک رہے تھے۔ ایک دن بھوک کے مارے برا حال تھا۔ بے ہوش ہو گئی تھی اور گرتے ہوئے آپ کی اماں کی گاڑی کے سامنے آ گئی تھی بھیڑ جمع ہو گئی تھی۔ آپ کی اماں مجھے یہاں لے آئیں کہ ان کے گھر کے کام کروں گی بشیراں پتا نہیں کہاں گئی۔ ہوش میں آنے کے بعد میں نے اس کا پوچھا پر کوئی نہیں جانتا تھا اس کے بارے میں۔" پاکیزہ نے بات کرتے ہوئے گہری سانس خارج کی۔

"تم رات میں کس سے بات کرتی ہو؟" میں نے اپنا پرانا سوال دہرایا۔

"اللہ سے اور قرآن سے۔ اللہ کو مجھ سے بات کرنی ہوتی ہے تو وہ قرآن کے ذریعے بات کرتے ہیں اور مجھے کرنی ہوتی ہے تو میں نماز کے بعد قرآن پڑھ کر پھر اللہ سے باتیں کرتی ہوں۔ آج تک ان سے ہی کرتی آئی ہوں۔ میرے پاس تو کوئی اور ہے ہی نہیں!"

بھرائی ہوئی آواز میں کہتے ہوئے وہ جانے کے لیے اٹھی۔

"پر آج لگا کوئی اور بھی ہے....." یہ بات کہتے ساتھ ہی وہ باہر نکل گئی اور میں اس کی آخری بات کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

مجھے اس کی باتیں عجیب بھی لگیں اور دل کو بھی لگیں..... یہ سوچ کر کہ آج بھی یہ مکروہ رسم چلی آ رہی ہے قرآن سے نکاح کر کے دنیا ترک کروا دینا کتنی بڑے اور عظیم گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں وہ۔ کاش وہ لوگ اس بات کو سمجھ کر جہالت کی ان تاریکیوں سے نکل آئیں جس کے خاتمہ کے لیے اللہ نے چودہ سو سال پہلے ہی اپنے محبوب کو بھیج دیا تھا۔

ہمیں اللہ نے عقل دی ہے شعور دیا ہے جب خود پاکیزہ کے ماں باپ نے اسے قرآن کی تعلیم دی تو ایسے کیسے وہ اس رسم و رواج کی پیروی کر سکتے ہیں؟ ہمیں جتنا ہو سکے اسلام کی تعلیم کو عام کر کے ہر کسی کو اس مکروہ رسم کے عذاب سے آگاہ کرنا چاہیے۔ اگر آپ کے ارد گرد بھی کوئی جاہلانہ عمل ہو رہا ہو تو اسے روکنے کی ہر ممکن کوشش کریں کیونکہ یہ آپ کا مذہبی فریضہ ہے اور کل تو آپ سے اس بارے میں پوچھا جائے گا۔

شمائل نے کتاب بند کی اور سامنے بیٹھے اپنے طلبا سے مخاطب ہوا۔

"میری اسے صرف ایک کہانی ہرگز نہ سمجھا جائے بلکہ یہ ایک غلط رواج پر مبنی ایک سچی کہانی لکھی ہے۔ اور مجھے امید ہے آپ لوگ بھی اس قسم کے رسوم کے خلاف ہمیشہ آوازیں اٹھائیں گے۔"

سب طلبا نے اس کی بات پہ لبیک کہا اور گھر جانے لگے۔

کلاس کا ٹائم ختم ہو گیا تھا۔

شمائل کو بھی جلدی گھر جانا تھا کیونکہ اس کی بیوی پاکیزہ اس کا گھر پر انتظار کر رہی تھی۔

☼ ☼